تفسیر ابن کثیر کی اسرائیلی روایات کا تحقیقی وتاریخی جائزہ

ڈاکٹر محمد دلشاد
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، پریٹ آباد، حیدرآباد
ڈاکٹر عدنان ملک
چیئرمین، شعبہ تاریخ اسلام، گورنمنٹ کالج، یونیورسٹی حیدرآباد

Abstract

Jews used to dedicate own bad deeds towrads prophets and sages, that narrations promoting their indecent acts, was being verbally narrated since long time.When Islam spread in many cities of Arab there was large number of Jews settled,they accepted Islam. They narrated those false Israelite's narrations like Kaab Ahbar so these narrations began to enter in Islamic Literatuer.A lot of them were totally wrong and false and being a Muslim Islamic scholars, we must reject thiem. Unfortunately, Muslims commentators took vast part of these narrations into their authorship.One of them Allama Ine-e-Kasir who stated a few Israelite's narration in his magnificent commentary that is known"Tafseer-e-Ibn Kasir".In this artice these historical and false narrations would be analyzed which are found in Tafseer-e-Ibn Kasir.

Key words: *Tafseer-e-Ibn Kasir, Israelite's narrators, Muslim commentators.*

دنیا کی تاریخ میں بیشمار ایسی اقوام گزری ہیں جن پر کسی زمانے میں خدائی برکات نزول ہوتی رہی مگر کثیر الٰہی انعامات کا جس قوم پر نزول ہوا وہ بنی اسرائیل ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنی سرکش روش اور باغیانہ فطرت کے سبب سب سے زیادہ خدائی عتاب کا شکار بھی یہی قوم رہی ہے۔اپنی نافرمانیوں سے خدائے واحد کو ناراض کر دینے کے باعث بنی اسرائیل مدت مدید تک مصر میں قبطیوں کے غلام رہے(۱)، بعدازاں سلیمان علیہ السلام کے دور میں قائم ہونے والی شاندار حکومت کو بھی گنوا بیٹھے(۲)، مرکزی عبادت گاہ ہیکل سلیمانی سے محروم ہوئے(۳)، بابل میں اسیری کے ایام کاٹے(۴) حتی کہ گردش زمانہ کے سبب سے اپنی الہامی کتاب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔(۵) فقدان تورات کے عظیم سانحے کے بعد یہود کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تورات کی تدوین ثانی کے لیے ان روایات پر انحصار قطعی کیا جائے جو کہ اسرائیل کے بزرگوں کی یادداشت میں محفوظ تھیں اور سینہ بسینہ نقل

ہوتی چلی آ رہی تھیں۔(۶) انتقال روایت کے اس عمل میں یہود نے مقام انبیاء کرام علیہم السلام کی پاسداری کا بھی خیال نہ رکھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے مقرب ان برگزیدہ افراد کو بھی عام افراد کی صف میں داخل کر دیا جو کہ ان کے مقام اور منصب کے ہرگز شایان شان نہیں۔معروف یہودی النسل اسکالر ہائم مکابی لکھتے ہیں۔

"Judaism had steadfastly refused to attribute status even to its geatest Prophet,Moses,Whose human failings are emphasized in scripture." (۷)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

"The Jews regarded their own anointed kings as mere human beings whose actions were closely scrutinized and,if need be,critized." (۸)

عصمت انبیاء سے منافی روایات کے ساتھ ساتھ دیگر غیر مستند اسرائیلی روایات اسلامی لٹریچر میں اس وقت شامل ہوئیں جب اسلام بلاد عرب میں تیزی سے پھیلنا شروع ہوا اور یہود و نصاریٰ کی بڑی تعداد دائرہ اسلام میں افواجاً داخل ہونے لگی۔(۹) اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان تمام شرمناک قصص کا رد فرما دیا تھا جن کا انتساب یہودیوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف کر رکھا تھا یا پھر وہ تاریخی طور پر غیر مستند تھے مگر بدقسمتی سے بعض یہودی علماء کے مسلمان ہونے کے بعد ان سے روایات کرنے والوں نے ایسی بہت سی غیر مستند اسرائیلی روایات کو اسلامی لٹریچر میں دوبارہ شامل کر دیا جنہیں بعدازاں مفسرین نے اپنی تفاسیر میں داخل کر لیا۔انہی غیر مستند روایات میں سے کچھ کا یہاں تاریخی و تحقیقی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جنہیں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر ابن کثیر میں نقل کیا ہے:

۱۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ سورہ یٰسین کے ایک مقام (۱۰) کی تفسیر کرتے ہوئے ایک اسرائیلی روایت رقم کرتے ہیں۔

''پہلے دو رسولوں کا نام شمعون اور یوحنا تھا اور تیسرے رسول کا نام بولص تھا۔ان سب نے کہا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس نے ہماری معرفت تمہیں حکم بھیجا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔حضرت قتادہ بن دعامہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں بزرگ جناب مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تھے۔''(۱۱)

مذکورہ واقعہ کے ضمن میں منقولہ اسرائیلی روایت میں تین افراد کا ذکر ہے جو کہ مبینہ طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری متصور کیے گئے ہیں۔یہ تین اشخاص شمعون، یوحنا اور بولص (پولس) ہیں۔اس واقعہ کا تاریخی جائزہ دیگر اسرائیلی روایات کو مدنظر رکھ کر کیے جانے کی صورت میں مذکورہ بالا روایات کی تاریخی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آیا یہ واقعہ فی نفسہ وہی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے یا پھر یہ بھی ان غیر مستند اسرائیلیات میں شامل ہے جو کہ وافر مقدار میں اسلامی لٹریچر کا حصہ ہیں۔روایت میں موجود قصہ میں شامل افراد کی معرفت ہمیں مروجہ انجیل کی طرف توجہ کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے جہاں حوارین عیسیٰ علیہ السلام کے اسمائے گرامی مرقوم ہیں۔

''شمعون جس کا نام اُس نے پطرس بھی رکھا اور اُس کا بھائی اِندریاس اور یعقوب اور یُوحنّا اور فلپس اور برتمائی اور متّی اور تُوما اور حلفی کا بیٹا یعقوب اور شمعون جو زیلوتیس کہلاتا تھا اور یعقُوب کا بیٹا یہُوداہ اور یہُوداہ اِسکریُوتی جو اُس کا پکڑوانے والا ہُوا۔'' (۱۲)

اس انجیلی روایت سے شمعون اور یوحنا کے حواریِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے کی تصدیق تو ہو جاتی ہے مگر پولس نامی تیسرا فرد جو اس زیرِ تحقیق روایت میں موجود ہے اس کے متعلق ابہام رہ جاتا ہے۔ پولس نام کا کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں شامل نہیں تھا بلکہ یہ ایک رومی ہرکارہ تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے صعودِ آسمانی کے کچھ سالوں بعد یہ دعویٰ کر کے عیسائیت کو قبول کر لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اسے خواب میں آ کر اپنا شاگرد چن لیا ہے۔ (۱۳) اپنی پوری زندگی میں اس نے کبھی عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہیں کی بلکہ یہ ان کے متبعین کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا رہتا تھا حتی کہ جس وقت اس کے مبینہ دعوے کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اس پر ظاہر ہوئے تب بھی یہ عیسائیوں کی ایذاء رسانی کے ایک مشن پر دمشق جا رہا تھا۔ (۱۴) عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی شاگردوں نے اس کے دعویٰ قبول عیسائیت کو تسلیم نہیں کیا مگر برنباس نامی ایک سادہ لوح حواری نے اس کے ایمان لانے کی ضمانت دے دی۔ یوں یہ شخص حوارِیینِ عیسیٰ کے قریب ہو گیا مگر اس نے ان کی مصاحبت اختیار کرنے اور تعلیمات عیسوی سیکھنے کے بجائے عرب کا رخ کیا اور تین سال وہاں گزارے۔ (۱۵) تین سال بعد واپس آ کر اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے اپنے مشرکانہ نظریات تجسیم، تثلیث، کفارہ، ابنیت والوہیت وغیرہ کا پرچار کرنا شروع کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں نے اس کی سخت مخالفت کی، اس کے مشرکانہ اعتقادات کو یہودیوں نے سختی سے رد کیا مگر غیر یہودیوں سے عیسائیت میں داخل ہونے والے نومریدین نے بخوشی ان نظریات کو الہام کے نام پر قبول کر لیا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے مخلصین ساتھیوں کو بھی سخت تنقید اور ملامت کا نشانہ بنایا۔ (۱۶) حوارِیینِ عیسیٰ علیہ السلام سے سخت عداوت رکھنے کے باعث پولس نامی اس شخص کا ان کی معیت میں انطاکیہ جا کر تبلیغ کرنا ایک امر محال ہے لہٰذا یہ معاملہ ہی قیاس سے بعید ہے کہ پولس نے عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کے ساتھ مل کر تبلیغ کی ہو۔

جن آیات کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس اسرائیلی روایت کو نقل کیا ہے ان آیات کا سیاق وسباق بھی تاریخی طور پر اس امر کی نفی کرتا ہے کہ یہ معاملہ انطاکیہ نامی شہر میں وقوع پذیر ہوا ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

''اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم پیغمبروں کے پیچھے چلو ایسوں کے جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں اور مجھے کیا ہے میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے کیا میں ان کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ اگر خدا میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا ہی سکیں تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا۔ بولا کاش! میری قوم کو خبر ہو کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کیا اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اُتارا اور نہ ہم اُتارنے والے تھے۔ وہ تو صرف

ایک چنگھاڑ تھی (آتشین) سو وہ (اس سے) ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔'' (۱۷)

مذکورہ واقعہ کا اسلوب قرآنی اس امر کی خبر دیتا ہے کہ تکذیب رسلِ کے نتیجے میں اس شہر پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ پوری بستی ہی تباہ ہوگئی۔ اگر ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق یہ واقعہ انطاکیہ کا ہی ہے تو پہلی صدی عیسوی کے بعد انطاکیہ پر کسی بھی قسم کی آسمانی آفت یا عذاب نازل ہونے کا کوئی تذکرہ تاریخ کے صفحات میں نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اس روایت میں موجود دین مسیح کو تبدیل کرنے والے رومی شہری پولس اور انطاکیہ نامی شہر پر عذاب الٰہی کے نزول کے متعلق تاریخی شہادت کے مفقود ہونے سے یہ پوری اسرائیلی روایت ہی مشکوک اور بےمعنی ہو جاتی ہے۔

۳۔ سورہ یوسف میں حضرت یعقوب و یوسف علیہا السلام کے وصال کی مدت کا تعین کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ مختلف اسرائیلی روایات کو نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''سلیمان کا قول ہے کہ خواب کے دیکھنے اور اس کی تاویل کے ظاہر ہونے میں چالیس سال کا وقفہ تھا۔ عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں خواب کی تعبیر کے واقع ہونے میں اس سے زیادہ زمانہ لگتا بھی نہیں یہ آخری مدت ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ باپ بیٹے اسی برس کے بعد ملے تم خیال تو کرو کہ زمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ اللہ کا کوئی محبوب بندہ نہ تھا۔ پھر بھی اتنی مدت انہیں فراق یوسف میں گزری، ہر وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور دل میں غم کی موجیں اٹھتیں اور روایت میں ہے کہ یہ مدت تراسی سال کی تھی۔ فرماتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے گئے اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اسی برس تک آپ باپ کی نظروں سے اوجھل رہے۔ پھر ملاقات کے بعد تیئیس برس زندہ رہے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ بقول قتادہ رحمہ اللہ علیہ ترپن برس کے بعد باپ بیٹا ملے۔ ایک قول ہے کہ اٹھارہ سال ایک دوسرے سے دور رہے اور ایک قول ہے کہ چالیس سال کی جدائی رہی اور پھر مصر میں باپ سے ملنے کے بعد سترہ سال زندہ رہے۔'' (۱۸)

مکتوبہ بالا اسرائیلی روایات کا منبع تورات کی پہلی کتاب ''پیدائش'' ہے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے موجود ہے۔ وہاں سے اس پورے واقعہ کے اعداد و شمار سے اس دورانیہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام ایک دوسرے سے دور رہے۔

سترہ برس کی عمر میں یوسف علیہ السلام ایک خواب دیکھتے ہیں: (۱۹) ''کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔'' (۲۰) اس خواب کی خبر جب ان کے بھائیوں کو ملتی ہے تو وہ ان کے دشمن ہو جاتے ہیں اور پھر ایک منصوبے کے تحت انہیں ایک کنویں میں ڈال دیا جاتا ہے جہاں سے ایک قافلہ انہیں لے کر مصر آ جاتا ہے اور انہیں ایک بازار میں فروخت کر دیا جاتا ہے وہاں سے فرعون مصر کا فوطیفار نامی ایک وزیر انہیں خرید لیتا ہے (۲۱) اور اپنے گھر لے آتا ہے جہاں اس کی بیوی یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو جاتی ہے اور دعوت گناہ دیتی ہے۔ (۲۲) یوسف علیہ السلام اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں انہیں جیل

بھیج دیا جاتا ہے اور وہ وہاں کافی سال رہتے ہیں۔ جیل سے خلاصی انہیں اُس وقت ملتی ہے جب فرعون ایک خواب دیکھتا ہے اور اس کی تعبیر کے لیے مصر کے سارے نجومیوں اور دانشوروں کو بلا بھیجتا ہے۔ فرعون کا ایک ساقی اسے خبر دیتا ہے کہ قید خانہ میں یوسف نامی ایک قیدی ہے جو خوابوں کی درست تعبیر بتاتا ہے۔ فرعون یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے بلواتا ہے اور اپنا خواب ان کے سامنے بیان کرتا ہے اور وہ اس کی تعبیر بتاتے ہوئے اسے خبر دیتے ہیں کہ آنے والے سات سال خوشحالی کے ہوں گے اور اس کے بعد سات سال تک انتہائی سخت کال پڑے گا لہٰذا اس کی تیاری ابھی سے کرلو۔ فرعون مصر نے انہیں دانشور اور عقلمند پا کر مصر کا حاکم بنا دیا۔ جس وقت یوسف علیہ السلام کو فرائض مملکت سونپے گئے اس وقت ان کی عمر بائبل کے مطابق تیس برس تھی۔ (۲۳) عنان سلطنت سنبھالنے کے بعد یوسف علیہ السلام نے وسیع پیمانے پر زراعت کو فروغ دیا اور خوش حالی کے سات سالوں میں اتنا غلہ ذخیرہ اندازکرلیا جو کہ آمدہ خشک سالی کے سالوں کے لیے کافی تھا۔ جب قحط سالی شروع ہوئی تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بھی معلوم ہوا کہ مصر میں غلہ وافر مقدار میں موجود ہے تو ملک کنعان سے انہوں نے بھی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر کا رخ کیا۔ یوسف علیہ السلام انہیں پہچان گئے مگر اپنی شناخت ان پر ظاہر نہیں کی اور انہیں غلہ دے کر اس بات کا تقاضہ کیا کہ اگلی بار جب تم آؤ تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لانا جس کو ابھی تم اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے ہو۔ اگلے سال جب وہ غلہ لینے آئے تو یوسف علیہ السلام کے اُس حقیقی بھائی کو بھی ساتھ لائے جو کہ پچھلی بار ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اب یوسف علیہ السلام نے ان پر خود کو ظاہر کر دیا اور اپنا کرتا دے کر انہیں یعقوب علیہ السلام کو پورے گھرانے سمیت ملک مصر لانے کے لیے بھیجا تا کہ وہ اس خشک سالی سے پریشان نہ ہوں اور مصر آ کر آسانی سے رہ سکیں۔

اس تاریخی واقعہ کو اختصاراً ذکر کرنے سے تین مقامات سے واضح اشارے ملتے ہیں جو کہ فصل سے وصل تک کی درمیانی مدت کو بیان کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جب خواب دیکھا اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی، اس کے بعد جب اسیری کے سال کاٹ کر تخت شاہی پر پہنچے تو اس وقت ان کی عمر تیس سال ہو چکی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدت تیرہ سالوں پر محیط ہے۔ پھر آگے پانچ سال خوش حالی کے اس میں شمار کیے جاتے ہیں جس میں یوسف علیہ السلام نے مصر کو اقتصاری ومعاشی اعتبار سے مضبوط بنایا تا کہ آمدہ کال کا مقابلہ کیا جا سکے۔ جب خشک سالی شروع ہوئی تو یوسف علیہ السلام کی عمر پینتیس سال ہو چکی تھی اور جب خشک سالی کے دو سال بعد جب انہوں نے خود کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کیا تو اس وقت ان کی عمر سینتیس سال اور ان کو اپنے والد سے بچھڑے پورے بیس برس ہو چکے تھے۔ اسی بیس برس کے دورانیے کو اسرائیلیات روایات بیان کرنے والے راویوں نے چالیس، ترپن، اسی، تراسی سال قرار دیا ہے جو کہ ان روایت کے ضعف کو ظاہر کرتا ہے۔

زیر تحقیق روایات میں ابن کثیر رحمہ اللہ ایک قول یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ: ''یوسف علیہ السلام ملاقات کے بعد تیئس برس زندہ رہے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا'' جبکہ تورات کے مطابق یوسف علیہ السلام کا انتقال ایک سو دس برس کی عمر میں ہوا۔ (۲۴) نیز اوپر کیے گئے تاریخی تجزیہ کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یعقوب علیہ السلام سے ملاقات کے بعد یوسف علیہ السلام تقریباً تہتر سال حیات رہے جبکہ ملک مصر میں داخلہ کے وقت یعقوب علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس برس تھی (۲۵) اور انہوں کا انتقال

ایک سوسینتالیس برس کی عمر میں ہوا۔(۲۶) یعنی یعقوب علیہ السلام بھی اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام سے ملاقات کے بعد فقط سترہ سال زندہ رہے۔

۴۔ ابن کثیر رحمہ اللہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملک مصر سے خروج کے وقت بنی اسرائیل کی تعداد بیان کرتے ہوئے اسرائیلی روایات بیان فرماتے ہیں:

> ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل جب مصر پہنچے ہیں ان کی تعداد صرف تریسٹھ کی تھی اور جب یہاں سے نکلے ہیں اس وقت ان کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار کی تھی۔ مسروق کہتے ہیں آنے کے وقت یہ مع مرد وعورت تین سو نوے تھے، عبداللہ بن شداد کا قول ہے کہ جب یہ لوگ آئے کل چھیاسی تھے یعنی مرد عورت بوڑھے بچے سب ملا کر اور جب نکلے ہیں اس وقت ان کی گنتی چھ لاکھ سے اوپر اوپر تھی۔''(۲۷)

ان اعداد وشمار کا درست تاریخی ادراک ان کے ماخذ تورات سے حساب لگا کر کیا جاسکتا ہے۔ بنی اسرائیل جب ملک مصر میں داخل ہوئے تو یہ کل ستر نفوس تھے جن میں یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان کے پوتے اور موسیٰ علیہ السلام کے دادا قہات بھی شامل تھے۔(۲۸) تورات میں موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ کچھ اس طرح سے ہے۔ موسیٰ بن عمرام بن قہات بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔(۲۹)

☆ بنی اسرائیل جب مصر میں وارد ہوئے تو قہات بن لاوی ان لوگوں میں شامل تھے۔(۳۰) تاہم مصر میں داخل ہوتے وقت ان کی عمر کے بارے میں معلومات میسر نہیں لیکن ان کی کل عمر ۱۳۳ برس رہی۔(۳۱)

☆ قہات کے بیٹے کا نام عمرام تھا اور ان کی عمر ۱۳۷ برس ہوئی۔(۳۲)

☆ موسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کے وقت ۱۲۰ برس کے تھے۔(۳۳)

☆ موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک بنی اسرائیل کو لیے دشت سینا میں محو سفر رہے۔(۳۴)

☆ پس موسیٰ علیہ السلام کی عمر بوقت خروج مصر ۸۰ سال ہوئی۔ تورات کی کتاب خروج بھی یہی کہتی ہے۔(۳۵)

اس سارے حساب کو غور سے دیکھیں تو یہ صورت حال سامنے آتی ہے۔ اگر قہات کو بوقت ورود ایک شیر خوار بچہ مان لیا جائے (حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن زیادہ سے زیادہ یہی رعایت دی جاسکتی ہے اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں) تو ان کے ہاں عمرام کی پیدائش زیادہ سے زیادہ رعایت کے ساتھ ۷۰ برس کی عمر تک قرار پاتی ہے۔ یعنی کہ موسیٰ علیہ السلام کے والد عمرام کی پیدائش مصر میں ورود کے ۷۰ سال بعد ہوئی۔ اب اگر عمرام کے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی زیادہ سے زیادہ ستر برس کی عمر میں تسلیم کر لی جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ موسیٰ کی پیدائش کے وقت تک زیادہ سے زیادہ ۱۴۰ برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عمر کے ۸۰ ویں برس میں مصر چھوڑا تو کل مدت جو بنی اسرائیل کی مصر میں قیام کی ہے وہ ۲۲۰ برس سے زائد نہیں بنتی۔

مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کی اصل مدت ہرگز دو سو برس سے تجاوز نہیں کر پاتی۔ اس دوران زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ

پشتیں گزر سکتی ہیں حالانکہ بائبل مقدس کے مطابق موسیٰ تو تیسری پشت ہی تھے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعداد صرف دوسوبیس سالوں میں ایک لاکھ ستر ہزار یا چھ لاکھ افراد تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟ یہ تعداد لاکھوں میں تو ممکن نہیں ہے۔ہاں البتہ چند ہزار افراد ضرور ہو سکتے ہیں۔اتنی قلیل مدت میں ان کی آبادی کا اس قدر ہو جانا بھی تحیر خیز ہے جبکہ فرعون کا معصوم بچوں کا قتل عام بھی اس تعداد کے بڑھنے میں ایک رکاوٹ ہے۔اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟(۳۶)

بنی اسرائیل کے ملک مصر سے خروج کے واقعے کے سینکڑوں سال بعد جب اسرائیل کے بادشاہ احی آب کو ارام کے بادشاہ بن ہدد کی طرف سے خطرہ درپیش ہوا تو اسے اپنی سلطنت میں سے تمام بنی اسرائیل کا شمار کرنے پر محض سات ہزار افراد ہی دستیاب ہوئے۔(۳۷)اس تمام حقائق کو سامنے رکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ بوقت خروج بنی اسرائیل کی تعداد چند ہزار نفوس پر ہی مشتمل تھی اور اسرائیلی روایات میں مبالغہ آرائی کا عنصر شامل ہونے کی وجہ سے اس تعداد کو کئی لاکھ پر محیط کر دیا گیا تا کہ اسرائیلیوں کو اسماعیلیوں کے بالمقابل برتر وافرادی طور پر مضبوط ثابت کیا جا سکے۔

۴۔ علامہ ابن کثیر عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق ایک اسرائیلی روایت بیان کرتے ہیں:

> ''حضرت عیسیٰ کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں میں میری امداد کرے انہوں نے بلا غور علی الفور کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں، چنانچہ روح اللہ علیہ صوالت اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا۔''(۳۸)

مذکورہ بالا اسرائیلی روایت میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حواریین کو بسلسلہ تبلیغ اسرائیلیوں اور یونانیوں میں مبلغ بنا کر بھیجا۔اسرائیلی قبائل میں تبلیغ کی حد تک اس روایت کو درست کہا جا سکتا ہے مگر روایت میں ''یونانیوں'' کی قید کا اضافہ اس پوری روایت کو ہی مشکوک بنا دیتا ہے کیونکہ یہودی غیر اسرائیلیوں کو اپنے دین میں ہرگز شامل نہیں کرتے تھے۔ان کا زعم تھا کہ وہ خدا کی واحد چنیدہ اور برگزیدہ قوم ہیں جسے خدا نے دنیا پر حکمرانی کرنے کے لیے تخلیق کیا ہے۔ان کا دعویٰ اللہ کے چنیدہ ہونے کا تھا۔یہودیوں کے اس دعوے کو قرآن مجید نے بھی بیان فرمایا ہے:

> نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ
>
> ''ہم ہی اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔''(۳۹)

بنی اسرائیل میں ستر ہزار کے قریب انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے جن کی تبلیغ کا دائرہ کار بنی اسرائیل تک ہی محدود رہا حتی کہ بنی اسرائیل کے آخری مرسل عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی محنت کا میدان بھی بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک ہی محدود رہا جس کا اظہار وہ خود فرماتے ہیں:

> ''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''(۴۰)

اس مقام پر قرآن کریم اور بائبل کا مؤقف ایک ہی ہے بلکہ بائبل تو یہاں تک بتاتی ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے

شاگردوں کو بھی غیر یہودیوں کی طرف جانے اور تبلیغ کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی تھی۔

اور جب عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف بھیجا گیا اللہ کا رسول ہوں۔(۴۱)

غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔(۴۲)

یہاں مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو بغرض تبلیغ روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرما رہے ہیں کہ غیر یہودیوں کی طرف مت جانا تو پھر اس اسرائیلی روایت کے مطابق شاگرد کیسے یونانیوں میں تبلیغ کرنے جا سکتے تھے؟ بابل کی اسیری کے بعد اپنا نسب نامہ کھو دینے والے مخلوط النسل اسرائیلیوں (۴۳) کو بھی یہودیوں نے بحیثیت یہود قبول نہیں کیا اور نہ ہی انہیں مرکزی عبادت گاہ ہیکل سلیمانی میں داخل ہونے کی اجازت دی جس کی وجہ سے انہیں اپنا ہیکل کوہ جرزیم (۴۴) پر بنانا پڑا۔ یہودی جماعت میں شمولیت پر پابندی کے اتنے سخت یہودی رویے کے باعث ایسا ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا کہ یونانی بت پرستوں کو یہودیت میں شامل کیا جائے۔ مسیح علیہ السلام کی ہرگز ایسی کوئی تعلیمات نہیں تھیں اور نہ ہی وہ کوئی الگ سے باقاعدہ دین لے کر آئے تھے۔ عیسائیت نے بھی یہودیت سے جدا ہو کر ایک مذہب کی شکل اُس وقت اختیار کی جب عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد پولس مسیحیت میں داخل ہوا اور جب یہودیوں نے اس کے مشرکانہ نظریات پر کان نہ دھرے تو وہ غیر یہودیوں میں منادی کرنے لگا جس کے باعث ایک الگ مذہب وجود میں آ گیا۔ اس کا اقرار خود مسیحی چرچ کو بھی ہے۔

> ''ابتدائی مسیحیت یہودی لوگوں میں شروع ہوئی تھی اور رفتہ رفتہ اُس سے الگ پہچان کرانے لگے اور بالآخر اُن سے بالکل الگ ہو گئی۔ آخری علیحدگی اس پیغام کے باعث ہوئی جس کا مسیحیت اعلان کرتی ہے کہ مسیحی ہونے کے لیے یہودی ہونا شرط نہیں۔ یہی سبب ہے کہ بہت سے غیر یہودی کلیساء میں شامل ہوئے اور جزو خاص بن گئے اور اس طرح علیحدگی کے عمل کو آگے بڑھایا۔ یہودیت اور مسیحیت میں علیحدگی بہر صورت متوقع تھی کیونکہ خدا کے بیٹے یسوع پر ایمان، اس کی زندگی، موت، جی اٹھنے اور بعد میں ظاہر ہونے اور مداخلت کرنے کی وجہ سے موجود ہے اور اپنی ذات میں ایک نئے واقعے کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۴۵)

یہاں کلیسائی واضح اقرار موجود ہے کہ پولوسی نظریات اور غیر یہودیوں میں تبلیغ کے باعث عیسائیت جو کہ یہودیت کا ہی ایک فرقہ تھا، یہودیت سے کٹ کر ایک باقاعدہ مذہب بن گیا لہٰذا اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا اسرائیلی روایت کے موضوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۵۔ یحییٰ علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کی روایت نقل کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر بیان فرماتے ہیں:

> ''حضرت یحییٰ کے قتل کے موقعے پر تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون برسانے لگا اور دوسرے حضرت حسین کے قتل پر بھی آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔''(ابن ابی حاتم) (۴۶)

حضرت یحییٰ علیہ السلام جو کہ اسرائیلی روایات میں یوحنا اصطباغی کے نام سے معروف ہیں۔ان کی حیات سے متعلق دستیاب معلومات کا کثیر حصہ انہی روایات پر مشتمل ہیں جو انجیل نویسوں نے ضبط قلم کیں یا پھر ان کے معاصر یہودی مؤرخین جوزفیس یا فلو نے ان کی سوانح کے متعلق کچھ قلم کشائی کی ہے لیکن یہ دونوں ہی ماخذات حضرت یحییٰ علیہ السلام کی الم ناک شہادت سے متعلق کسی بھی قسم کے ایسے قضیے سے مبرا ہیں جس کے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ناقل ہیں۔انجیل نویس ان کی شہادت کا قصہ تو لکھتا ہے مگر روایت میں مندرج ایسا کوئی واقعہ ان کی شہادت سے منسوب نہیں کرتے۔انجیل نویس لکھتا ہے:

''جب ہیرودیس کی سالگرہ ہوئی تو ہیرودیاس کی بیٹی نے محفل میں ناچ کر ہیرودیس کو خوش کیا۔اس پر اس نے قسم کھا کر اس سے وعدہ کیا کہ جو کچھ تو مانگے گی میں تجھے دوں گا۔اس نے اپنی ماں کے سکھانے سے کہا مجھے یُوحنّا اصطباغ دینے والے کا سر تھال میں یہیں منگوادے۔بادشاہ غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے اس نے حکم دیا کہ دے دِیا جائے اور آدمی بھیج کر قید خانہ میں یُوحنّا کا سر کٹوادیا۔اور اس کا سر تھال میں لایا گیا اور لڑکی کو دیا گیا اور وہ اسے اپنی ماں کے پاس لے گئی۔اور اس کے شاگردوں نے آکر لاش اٹھالی اور اسے دفن کر دیا اور جا کر یسُوع کو خبر دی۔''(۴۷)

اس صورتحال کے پیش نظر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ شہادت یحییٰ علیہ السلام سے متصل وقائع میں افسانوی رنگ بہت بعد میں بھرا گیا تا کہ زیر تحقیق روایت کے دوسرے حصے کی حقانیت کی سند تاریخ سے ملا کر شہادت حسین اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مظلومانہ شہادت سے مماثلت پیدا کی جاسکے۔

اختتامیہ

محققہ بالا چند اسرائیلی روایات کا جائزہ لینے پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مفسرین کی کمال احتیاط کے باوجود ضعیف وموضوع اسرائیلی روایات پھر بھی اسلامی لٹریچر میں داخل ہوگئیں اور بعد از اں مستشرقین ومتعصب مسیحی علماء نے انہی کو بنیاد بنا کر اسلام پر نقد کی نیز کچھ روایات سے اپنے مقاصد باطلہ کی حقانیت ثابت کرنے اور اپنے فرسودہ عقائد کی سند لانے کی غیر احسن کوششیں بھی کیں۔ان لوگوں کا وہی وطیرہ رہا ہے جو کہ قوم یہود کا تھا کہ وہ اپنے پاس سے افسانے گھڑ کر جلیل القدر ہستیوں کی طرف انتساب کر کے اپنے افعال مذمومہ کی سند بنایا کرتے تھے۔انہوں نے یہ اسلوب فقط روایات میں ہی اختیار نہیں کیا بلکہ رب الکائنات کی ذات پر بھی جھوٹ باندھنے سے باز نہیں آئے اور اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر اسے اللہ کے نام سے پیش کیا۔قرآن مجید نے یہودیوں کی اس باطل روش کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ق ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

''تباہی ہے ان لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔''

ایسے ہی غیر صحیح اسرائیلی روایات پر مشتمل اسلامی مواد کی وجہ سے معترضین کے لیے یہاں بھی اپنے اعمال قبیحہ کے جواز کا

دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسے دروازے کو ہی تحقیق کر کے بند کر دیا جائے جو ان باطل عقائد کے حاملین کے نظریات کے فروغ اور مسلمانوں کے قلوب واذہان میں تشکیک کے بیج بونے کا سبب بن رہا ہے۔ تحقیق ہذا بھی اسی سلسلے کی ایک چھوٹی سی کڑی ہے۔

حوالہ جات

(۱) خروج ۱۴:۱

(۲) Maccoby,Hyam,''Revolution in Judaea-Jesus and the Jewish Resistance",Taplinger Publishing Co,New York.1980,P.27

(۳) Neusner,Jacob,"Judaism when Christianity Began",Westminster John Knox Press,Louisville,2002,P.6.

(۴) سلاطین ثانی ۱۵:۲۴

(۵) سلاطین اوّل ۹:۸

(۶) Neusner,Jacob,"Judaism when Christianity Began",Westminster John Knox Press,Louisville,2002,P.115.

(۷) Maccoby,Hyam,''Revolution in Judaea-Jesus and the Jewish Resistance",Taplinger Publishing Co,New York.1986,P.62.

(۸) Maccoby,Hyam,''Revolution in Judaea-Jesus and the Jewish Resistance",Taplinger Publishing Co,New York.1986,P.62.

(۹) القرآن، سورہ النصر

(۱۰) آیت نمبر ۱۳ تا ۲۸

(۱۱) دمشقی، حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی، تفسیر ابن کثیر، مطبع نور محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی، ج ۴، ص ۳۳۴

(۱۲) لوقا ۱۳:۶

(۱۳) اعمال باب ۹

(۱۴) Maccoby,Hyam,''Revolution in Judaea-Jesus and the Jewish Resistance",Taplinger Publishing Co,New York.1986,P.85.

(۱۵) گلتیوں ۱:۱۷

(۱۶) گلتیوں ۲:۱۳

(۱۷) سورۃ یسٰین، آیت ۲۰ تا ۲۹

(۱۸) دمشقی، حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی، تفسیر ابن کثیر، محولا بالا، ج ۳، ص ۱۶

(۱۹) پیدائش ۳۷:۲

(۲۰) سورۃ یوسف، آیت ۴

(۲۱) پیدائش ۳۷:۳۶

(۲۲) سورۃ یوسف، آیت ۲۳

(۲۳) پیدائش ۴۱:۴۶

(۲۴) پیدائش ۵۰:۲۲

(۲۵) پیدائش ۴۷:۹

(۲۶) پیدائش ۴۷:۲۸

(۲۷) دمشقی، حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی، تفسیر ابن کثیر، محولا بالا، ج ۳، ص ۱۶

(۲۸) پیدائش ۴۶:۲۷

(۲۹) پیدائش خروج باب ۶

(۳۰) پیدائش ۴۶:۱۱

(۳۱) خروج ۶:۱۸

(۳۲) خروج ۶:۲۰

(۳۳) استثناء ۳۷:۷

(۳۴) استثناء ۵:۲۹

(۳۵) خروج ۷:۷

(۳۶) اقبال، ظفر، کتاب الاستفسار، غیر مطبوعہ، ص ۵۲

(۳۷) سلاطین اول ۲۰:۱۵

(۳۸) دمشقی، حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی، تفسیر ابن کثیر، محولا بالا، ج ۵، ص ۳۵۱

(۳۹) القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۱۸

(۴۰) متی ۱۵:۲۴

(۴۱) سورۃ صف، آیت ۶

(۴۲) متی ۵:۱۰

(۴۳) یہ ان یہودیوں کی اولادیں تھیں جنہوں نے بابل جا کر شادیاں کر لی تھیں جس کی وجہ سے ان میں سے کچھ کی ماں یہودی اور باپ غیر یہودی اور کچھ کے باپ یہودی اور ماں غیر یہودی تھیں۔ ایسے لوگ آگے چل کر سامری کہلائے۔

(۴۴) یوحنا باب ۴

(۴۵) معتدبہ کلام مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،مطبوعہ۲۰۱۳،ص۶۳

(۴۶) دمشقی،حافظ عمادالدین ابن کثیر شافعی،تفسیرابن کثیر،محولا بالا، ج۵،ص۵۳

(۴۷) ایضاً

مصادرومراجع

(۲) القرآن الکریم

(۳) کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور۔

(۴) دمشقی،حافظ عمادالدین ابن کثیر شافعی،تفسیرابن کثیر،مطبع نورمحمد کتب خانہ،آرام باغ کراچی۔

(۵) بنی اسرائیل کی تاریخ،کیتھولک بائبل کمیشن پاکستان،مکتبہ عناویم گوجرانوالہ،مطبوعہ ستمبر۲۰۱۳ء۔

(۶) واقدی،امام ابوعبداللہ محمد بن عمر،فتوح الشام،مترجم:مولانا حکیم شبیراحمدانصاری،ادارہ اسلامیات لاہور،۱۹۸۶ء۔

(۷) کمال الدین،حامد،مسجداقصی،ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا مسئلہ،ایقاظ پبلشرز،لاہور۔

(۸) اقبال،ظفر۔کتاب الاستفسار،غیرمطبوعہ،ص۵۲۔

(۹) معتدبہ کلام مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،مطبوعہ۲۰۱۳ء،ص۶۳۔

(۱۰) Maccoby,Hyam,''Revolution in Judaea-Jesus and the Jewish Resistance",Taplinger Publishing Co,New York.1980.

(۱۱) Neusner,Jacob,"Judaism when Christianity Began",Westminster John Knox Press,Louisville,2002.

(۱۲) Maccoby,Hyam,"The myth maker Paul and the invention of Christianity",George Weidenfeld & Nicolson Limited,1986.